© rasailojaraid.com

کلامِ اقبال کی آفاقیت

ظہیر احسان ہنری☆

اقبال ایک ایسا شاعر ہے جسے دنیا کی نظروں میں بڑی کشش اور جاذبیت حاصل ہے۔ لوگوں نے اقبال کو مختلف پہلوؤں سے جانچا اور پرکھا ہے۔ کوئی تو اسے ''قومی شاعر'' کوئی اسلامی شاعر، کوئی ملی شاعر، کوئی ''شاعرِ مشرق''، کوئی ''شاعر'' سے زیادہ ''فلسفی'' اور کوئی ''فلسفی شاعر'' قرار دیتا ہے۔ کوئی اس کے ''تصورِ خودی'' کو سراہتا ہے اور کوئی ''فلسفۂ بیخودی'' پر زور دیتا ہے۔ بہرحال ''کلام اقبال'' کے بارے میں جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ ''کلامِ اقبال'' موضوعات' فکر اور اسالیب کی مناسبت سے بڑا وسیع اور ہمہ گیر واقع ہوا ہے۔ اس میں اتنی وسعت اور گہرائی ہے جتنی اس کائنات میں ہے۔ انہوں نے گل و بلبل کی داستان اور ''لمسی و جنسی'' حسن و عشق کے پنجرے میں اپنی شاعری کو مقید نہیں کیا بلکہ اپنے کلام کے ذریعے ''حیات و کائنات'' کا ٹھوس پیغام اور حقائق و وسائل ساری دنیا کے انسانوں تک پہنچائے۔

اسی لیے اقبال ہر پہلو سے ''عہد آفرین'' شاعر ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ ہم تصورات اقبال یا افکارِ اقبال سے اتفاق کریں یا نہ کریں' لیکن ان کے تصورات و افکار کی بڑائی و عظمت کے منکر نہیں بن سکتے۔ یہ اس لیے کہ اقبال ہر وقت انسانیت کی خیر مانگتے ہیں۔ انسانیت کے اسی منبع سے کلام اقبال نے آفاقی حیثیت اور عالمگیر حقیقت حاصل کی ہے۔ اقبال کی آفاقیت اتنی واضح ہے کہ ہم کبھی اس سے روگردانی نہیں کر سکتے۔ افکارِ اقبال یا کلامِ اقبال میں یہ [illegible] اس لیے پیدا ہوئی کہ وہ انسان کو ''عظیم''

☆ شعبۂ اردو، جامعہ پشاور، پشاور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''جگن ناتھ آزاد''، کلامِ اقبال پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''اقبال کے کلام کو ہم مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو اسے ''صحیفۂ عظمت آدم'' کے سوا اور کوئی نام نہ دے سکیں گے''۔ (۱)

بے شک کلامِ اقبال صحیفۂ عظمتِ آدم ہے اور آدم پورے آفاق میں جلوہ گر ہے۔ کسی ایک خطّے تک محدود نہیں۔ اس طرح اقبال جب آدم اور انسان کی بات کرتے ہیں تو ان کی بات خود بخود آفاقی و کائناتی بن جاتی ہے۔ ان کا سارا کلام عظمتِ آدم کے موضوع سے بھرپور ہے، جسے پڑھ کر ہمیں یقین ہونے لگتا ہے کہ اقبال کی شاعری ''آفاقیت'' کی امین ہے:

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے (۲)

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں (۳)

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفٰی سے مجھے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں (۴)

اقبال نے یہی خیال ''جاوید نامہ'' کی نظم نغمۂ ملائک میں بھی بیان کیا ہے۔

فروغِ مشتِ خاک از نوریاں افزوں شود روزے

زمیں از کوکبِ تقدیرِ ما گردوں شود روزے (۵)

اٹلی کے ممتاز شاعر ''دانتے'' نے اپنی ایک مشہور و معروف کتاب 'کامیڈی' لکھی جسے آج کل ''ڈیوائن کامیڈی'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ''ڈیوائن کامیڈی'' میں شاعر اپنی محبوبہ ''بیٹرلیس'' کی تلاش میں نکلتا ہے، ادھر ''جاوید نامہ'' میں اقبال ''حق'' کی جستجو میں جاتے ہیں۔ دانتے عیسائی اور اقبال مسلمان تھا۔ دانتے نے اپنی کتاب میں غیر عیسائیوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ اسی طرح علامہ کے ''جاوید نامہ'' میں غیر مسلموں کا حال بھی مذکور ہے، لیکن دانتے غیر عیسائیوں کا ذکر کرتے ہوئے تعصّب، مذہبیت اور جذباتیت کا شکار ہو جاتا ہے، جبکہ اقبال ہر جگہ غیر مسلموں کا تذکرہ اسی ادب و احترام سے کرتا ہے جس طرح کسی مسلمان کا، بانگِ درا میں ''سوامی رام تیرتھ'' کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بے تاب! تو
پہلے گوہر تھا' بنا اب گوہرِ نایاب تو (۲)

اسی طرح شیوجی مہاراج، گوتم بدھ اور بھرتری ھری کا ذکرجاوید نامہ میں کرتے ہیں اور رسولؐ اللہ اور حضرت علیؓ کا تذکرہ ''ڈیوائن کامیڈی'' میں دانتے کرتا ہے۔ علاوہ ازیں دانتے نے اپنی کتاب میں انِ عظیم ہستیوں کا ذکر بھی کیا ہے جو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے اس دنیا میں تشریف لائیں۔ اس موقعے پر اگر ایک ہندو نقاد جگن ناتھ آزاد کا بیان پیش کروں تو زیادہ مناسب رہے ، جگن ناتھ آزاد کہتے ہیں:

'' دانتے نے اپنے مذہبی تعصب کے جوش میں ان میں سے کسی کو معاف نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؓ کا ذکر دانتے نے اس کتاب میں جس انداز سے کیا ہے وہ علم و ادب کے طالب علموں کے لیے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ میں اس حصے کو ''نقلِ کفر کفر نہ باشد'' کا سہارا لے کر بھی یہاں نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ سوال مذہبی بحث کا نہیں ہے بلکہ محض اس قدر ہے کہ کیا ادب العالیہ کسی دور میں بھی اس غیر مہذب لب و لہجے کا متحمل ہو سکتا ہے؟'' (۷)

مگر اس کے برعکس ' اقبالؒ کا رویہ' غیر مسلموں کے ساتھ نہایت مؤدبانہ اور عاجزانہ ہے۔ شیوجی مہاراج' گوتم بدھ اور بھرتری ہری کا ذکر کرتے ہوئے' علامہ نے ادب و احترام کے تمام تر طریقوں سے کام لیا ہے اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ غیر مسلموں کا ذکر کرتے ہوئے' جلال الدین رومیؒ اقبال کی رہنمائی کرتے ہوئے آسمانوں کی سیر کراتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود علامہؒ شیوجی مہاراج سے روحانیت کا درس لینے میں خوشی و فخر محسوس کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ہاں ''عظمتِ انسان'' کا تصور کسی قسم کے جھوٹ یا خوش فہمی پر نہیں، بلکہ خلوص' سچائی اور ہمدردی پر مبنی ہے:

آدمیت احترام آدمی   باخبر شو از مقامِ آدمی

کا تصور ان کے دل میں جاگزیں ہے۔ انسان کا مقام اقبالؒ کے نزدیک کس قدر بلند اور اعلیٰ ہے، اگرچہ اس کا اندازہ ایک شعر میں بھی ہو سکتا ہے کہ اقبالؒ کا ایک شعر بھی سمندر سے کم نہیں، لیکن مزید ثبوت اور 'کلامِ اقبال میں آفاقیت'' کا مدعا ثابت کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خاطر مندرجہ ذیل اشعار پیش خدمت کرتا ہوں:

شاخِ نہالِ سدرۂ خار و خس چمن مشو　　منکرِ او اگر شدی منکرِ خویشتن مشو
برخیز کہ آدم را ہنگام نمود آمد　　ایں مشتِ غبارے را انجم بسجود آمد
آں راز کہ پوشیدہ در سینۂ ہستی بود　　از شوخیٔ آب و گِل در گفت و شنود آمد

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظامِ کائنات میں انسان ایک بلند رتبے کا مالک ہے۔ اقبالؒ نے یہ خیالات صرف اور صرف "انسانیت" کو پیشِ نظر رکھ کر ظاہر کیے ہیں۔ اس لیے اقبال کا تصورِ آدمؑ ان کے کلام میں وہ "ہمہ گیری اور آفاقیت" پیدا کرتا ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اقبالؒ کے ہاں "عظمتِ آدم" کا تصور پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کارفرما رہتا ہے، اسی لیے علامہؒ کے کلام میں قنوطیت اور مایوسی کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ کا "تصوّرِ عظمتِ آدم" میر کے اس نظریے کا ردّ کر دیتا ہے:

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا

میر صاحب کے ہاں نا امیدی اور یاس کا اندوہ ناک طوفان پایا جاتا ہے، لیکن اقبال کے کلام میں شاید ہی یاس و نا امیدی یا قنوطیت کا احساس ہو - اگر کسی نظم کی ابتدا میں مایوسی ہو بھی تو نظم کے خاتمے تک یہ مایوسی ایسی رجائیت میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ قاری کا دل خوشی سے چوکڑیاں بھرنے لگتا ہے اور ایک مست و آزاد ہرن کی طرح قلانچیں مارتا ہوا، ناامیدی کی حدوں سے خوشی و امید کے سرسبز میدان میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں "انسان رازِ کن فکاں" ہے۔ اسے صرف اپنی آنکھوں پر ظاہر ہونے کی ضرورت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان ساری کائنات پر حاوی ہے۔ پروفیسر نظیر صدیقی کا کہنا ہے کہ اقبالؒ کا کوئی قاری اس تاثر سے نہیں بچ سکتا کہ عہدِ حاضر میں انسان کی اہمیت اور عظمت کے سب طاقت ور سے اثرات نے اقبالؒ کی شاعری میں اظہار پایا ہے۔ اقبال نے آدم کی تخلیق کو جس انداز میں بیان کیا ہے اس کی مثال عالمی شاعری میں شاید ہی مل سکے" (۸):

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد　　حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور   خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد

"علامہ کا یقینِ واثق ہے کہ مقدر کے دریا میں انسان کی حیثیت خس و خاشاک اور جھاگ کی سی نہیں، بلکہ ناقابلِ تسخیر چٹان کی ہے اور وہ چڑھے ہوئے دریا پر ہر لحاظ سے قادر ہے۔ اقبال انسانی انفرادیت پر زور دیتے ہیں اور یہاں تک دیتے ہیں کہ انسان گم ہے اور خدا اس کی تلاش میں سرگرداں ہے"۔

اقبالؒ ایک انسان ہے۔ ان کی شاعری ایک انسان کی شاعری ہے۔ ان کی شاعری کا ہر ہر لفظ نہ صرف گواہی دیتا ہے بلکہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ "انسان عظیم" ہے اور ساری کائنات پر حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبالؒ کی شاعری بھی آفاقی ہے، فرماتے ہیں:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے   جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے(۹)

آپ کی شاعری اس لیے بھی آفاقی ہے کہ اس میں انسان کو نہ صرف دنیا کا حکمران جانا گیا ہے' بلکہ وہ تخلیق کائنات اور تہذیب و تکمیل میں خدا کا ممدومعاون بھی ہے۔ ایک نظم "محاورہ مابین خدا و انسان" میں خدا انسان کو الزام دیتے ہوئے کہتا ہے کہ "میں نے تو ایک ہی جہاں پیدا کیا' تو نے تفرقے بازی کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' میں نے خاک سے سبزیاں پیدا کیں اور تو نے تلواریں و نیزے بنانے کے علاوہ چمن کے نونہالوں کو کاٹنے کے لیے "تبر اور چمن کے پرندوں کے لیے پنجرہ بنایا" پھر اقبال انسان کی طرف سے ان الزامات کی تردید بھی کرتے ہیں کہ "اے خدا تو نے رات بنائی میں(انسان)نے چراغ بنایا تیری زمیں ویراں تھی میں نے اس میں گل و گلزار کھلائے اور اسی تبر سے ان کی کانٹ چھانٹ کر کے ان میں ایک قرینہ اور دلکشی پیدا کی"۔

میری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے   وہ دشتِ سادہ' وہ تیرا جہانِ بے بنیاد! (۱۰)

"انسانی عظمت" کے سلسلے میں ' اقبالؒ صرف یہ کہہ کر چپ نہیں ہو جاتے کہ "تخلیق کائنات" میں انسان خدا کا مددگار ہے، بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جہاں خدا سب سے بڑا ہنر مند اور تخلیق کار ہے وہاں انسان سب سے بڑا اور بے باک نقاد ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھ کو پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کیا　　نقش ہوں اپنے مصور سے گلہ رکھتا ہوں میں

وہ انسانیت کی مصوری اس انداز میں کرتے ہیں کہ اس میں عظمت و بڑائی کے تمام تر پہلو آ جاتے ہیں۔ وہ انسان پر زور دیتے ہیں کہ اپنی کمزوریوں اور کم مائگیوں پر حاوی ہو جائے۔ اپنے اندر عشق و خرد کی تمام تر صفات پیدا کرے۔ جلال و جمال پیدا کرے اور شکست و خوردگی کے علاوہ یاس و نا امیدی کو اپنے قریب تک نہ پھٹکنے دے۔ غرض یہ کہ اقبال نے اپنی ساری کی ساری ذہنی قوت انسان کو "ایک مقامِ بلند" کا احساس دلانے کی خاطر صرف کر دی۔ ان کی ذہنی قوت ان کی شاعری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبالؒ ایک آفاقی شاعر کہلانے کے مستحق ہیں۔

اقبالؒ اپنی شاعری کے ہر موڑ پر انسان کی بات کرتے ہیں اور اس کے دکھ درد کو تہِ دل سے محسوس کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ انسان کا مقابلہ ایک غیر ہمدرد کائنات سے ہو رہا ہے وہ اس کائنات کے خلاف تن تنہا لڑ رہا ہے اور فطرت اس لڑائی میں اس کا بالکل ساتھ نہیں دے رہی۔ چنانچہ ہمہ گیر ہمدردی کا ثبوت دیتے ہوئے، اقبال انسان کی تنہائی اور بیچارگی کو اس شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ خود خدا کے حضور پکار اٹھتے ہیں:

یہ مشتِ خاک یہ صرصر یہ وسعتِ افلاک
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجاد؟ (۱۱)

غرض اقبالؒ ایک ایسے آفاقی شاعر ہیں کہ جن کے دل میں 'کائنات کی سب سے بڑی حقیقت (انسان) کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی ہے' موجود رہتی ہے۔ "انسان اور بزم قدرت" میں قدرت اور انسان کے درمیان مقابلہ کروا کے بالواسطہ طور پر انسان کو سرخروئی اور کامیابی حاصل کرنے کا راستہ دکھایا ہے۔

انسان کہتا ہے:

نور سے دور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں
کیوں سیہ روز، سیہ بخت، سیہ کار ہوں میں (۱۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدرت کہتی ہے:

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے

نہ سیہ روز رہے پھر نہ سیہ کار رہے

اقبال کی شاعری موضوعات کی رنگا رنگی سے عبارت ہے، لیکن انہوں نے جو موضوع بھی اختیار کیا' اس میں بلاواسطہ یا بالواسطہ انسان ہی کے متعلق بات کی۔ ان کے فلسفۂ ''حیات و موت'' اور فلسفۂ ''خودی'' ہی کو لیجیے۔ اس میں علامہؒ نے کسی ایک خطے کے انسان کے مرنے جینے یا خودی و بیخودی کی بات نہیں کی، بلکہ ساری کائنات کے انسانوں کی بات کی ہے۔ ''کنار راوی'' (۱۳)، ''گورستانِ شاہی'' (۱۴) اور ''فلسفۂ غم''(۱۵) کے علاوہ ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' (۱۶) اقبال نےؒ فلسفۂ حیات و موت بیان کیا ہے۔ چونکہ ' دنیا میں جو بھی آیا اسے زندگی ملی تو آیا اور پھر جو بھی آیا اپنی موت بھی ساتھ لایا۔'' كُل نَفسٍ ذَائِقَةُ المُوت''(۱۷) اس لیے فلسفۂ ''حیات و موت'' بھی در اصل اقبالؒ کی شاعری کو آفاقی اور عالمگیر بنادیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

نے مجالِ شکوہ ہے' نے طاقتِ گفتار ہے زندگانی کیا ہے' اک طوقِ گلو افشار ہے!(۱۸)

مختلف عناصر انسان کی جان کے درپے ہیں۔ موت اس دنیا میں ہوا کی طرح چلتی ہے۔ انسان کو زلزلوں، بجلیوں اور سمندروں کے ذریعے ختم کیا جاتا ہے۔ امیر' غریب سبھی مرتے ہیں۔ موت ہر جگہ موجود ہے۔ سمندروں کی تہوں میں بھی موت ہے۔ یہاں تک کہ خود زندگی ہی زندگی کے گلے میں پھندا بن جاتی ہے(۱۹) جس کے نتیجے میں:

قافلے میں غیر فریادِ درا کچھ بھی نہیں اک متاعِ دیدۂ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

لیکن پھر اسی نظم میں (والدہ مرحومہ کی یاد میں) بلبلوں' ستاروں' اڑنے والے پرندوں اور پھول کے بیج کی تمثیلوں سے ثابت کر دکھاتے ہیں کہ انسان کبھی فنا نہیں ہوتا۔

پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا

وہ فرماتے ہیں، ساری کائنات انسان کی خاطر تشکیل دی گئی ہے۔ ستارے بھی کائنات ہی کا جزو ہیں۔ لہذا یہ بھی انسان کے ''خدمت'' معرضِ وجود میں آنے، اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جبکہ ستاروں کی عمر ہزاروں سال سے بھی زیادہ ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ انسانی زندگی صرف ساٹھ، ستر یا زیادہ سے زیادہ سو سال ہو؟

شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا؟

اسی طرح:

تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے

خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں موت اس گلشن میں جز سنجیدنِ پر کچھ نہیں

گویا اقبال منطقی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ انسان کی زندگی موت سے ختم نہیں ہوتی بلکہ زندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اسی طرح "خضر راہ" میں زندگی کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے تمام دنیا کے انسانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی(۲۰)

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اسی طرح خودی کی تعلیم بھی "کلامِ اقبال" کی ایک خصوصیت ہے۔ ان کا پیغامِ خودی بھی تمام انسانوں کے لیے ہے۔ وہ مسلمانوں، کافروں، عیسائیوں اور یہودیوں غرضیکہ ہر ایک انسان کو "خودی" کی تعلیم دیتے ہیں:(۲۱)

کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن

خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے (۲۲)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ان کا کلام اس لحاظ سے بھی آفاقی ہے کہ قوموں کی ماہیت پر روشنی ڈالتے ہوئے "خودی" کو تمام قوموں کی جڑ قرار دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خودی کے ساز میں ہے عمرِ جاوداں کا سراغ

خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ! (۲۳)

لیکن اقبال کو بڑا صدمہ ہے کہ مشرق و مغرب دونوں ہی "خودی" کی تعلیم اور دولت سے محروم ہیں۔ اس سلسلے میں اقبالؒ مشرق و مغرب دونوں کا رونا روتے ہیں:

خودی کی موت سے مغرب کا اندروں بے نور

خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بال و پر

قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام

خودی کی موت سے پیرِ حرم ہوا مجبور

کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ احرام

اسی طرح، جب وہ قوموں کے عروج و زوال پر روشنی ڈالتے ہیں تو ان کا کلام خود بخود "آفاقی" بن جاتا ہے۔ جو قومیں ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ہوتی ہیں ان کے افراد محنت و مشقت کے سانچے میں ڈھلے ہوتے ہیں، مگر جب قوم کا دورِ زوال شروع ہوتا ہے، تو انہی افراد میں تن آسانی اور کاہلی عود کر آتی ہے۔ اس حقیقت کو اقبال وسیع و بلیغ اشاروں میں بیان کرتے ہیں:

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے — شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر (۲۴)

پھر فرماتے ہیں:

زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن — زندہ قوم از حفظِ ناموسِ کہن

مرگِ فرد از خشکیٔ رودِ حیات — مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

قوموں کے عروج و زوال کے ان ابدی و ازلی حقائق کو علامہؒ نے قرآن کریم سے اخذ کر کے، بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ حقائق آج بھی قوموں کی زندگی اور ان کا مستقبل سنوار سکتے ہیں، بشرطیکہ ان پر سختی سے کاربند رہا جائے۔

دراصل قومیں انسانوں سے بنتی ہیں۔ اس لیے یہاں پر بھی اقبال درحقیقت انسان ہی کی بہتری چاہتے ہیں۔ وہ آج بھی، کل بھی اور پرسوں بھی "انسانیت" کی خیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مانگتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی صاحب بجا فرماتے ہیں کہ ''اقبال کو شاعرِ انسانیت'' کے لقب سے یاد کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ صرف پاکستان یا عالم اسلام کی ملک نہیں ہیں، بلکہ تمام ''بنی نوع انسان'' کا ان پر حق ہے۔ وہ عالمی و آفاقی ہیں۔ ان کا مقصد و منتہا انسانوں کے کسی ایک گروہ، کسی ایک جماعت، یا کسی ایک معاشرے کو نہیں، بلکہ تمام ''بنی نوع بشر'' کو اخوت کے رشتے میں باندھ کر ایک بہتر و بلند تر زندگی اور ایک رفیع و عظیم نصب العین کی طرف لے جانا ہے۔ انہیں سب سے زیادہ فکر انسان کے مستقبل کی ہے نہ کہ کسی خاص جغرافیائی، قومی، لسانی یا لونی گروہ کی۔ ان کے سامنے جو مسئلے ہیں وہ کسی ایک فرقے یا جماعت سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ وہ تو انسان اور کائنات کے باہمی تعلق اور انسان کے مقام و منصب اور وظیفہ حیات کے بنیادی ابدی مسئلے ہیں۔ انہی عظیم مسائل کا حل انہوں نے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے''۔ (۲۵)

واقعی ڈاکٹر صاحب کی مندرجہ بالا رائے وزنی ہونے کے ساتھ ساتھ حق پر مبنی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبالؒ انسان کو کائنات کی ہر ایک چیز سے مضبوط و بالا تر دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنی تمام تر ہمدردیاں انسان کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ ان کی یہ دلی خواہش ہے کہ ''انسان سراپا قوتِ مسخرہ'' بن جائے۔ ان کا خیال ہے انسان صرف اور صرف ''شانِ خداوندی'' کے سامنے جھکے، اس کے علاوہ دنیا کی کوئی طاقت انسان کو زیر نہ کرے۔ بلکہ انسان عناصر کائنات کو اپنی مٹھی میں لے کر ان پر حکومت کرے۔ یہ اس لیے کہ انسان ہر ایک چیز سے افضل ہے اور ساری کائنات پر حاوی ہے:

یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہوا صحرا ہے
اس ذرّے کو رہتی ہے وسعت کی ہوس ہر دم

یہ ہستی دانا ہے بینا ہے توانا ہے
چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی

اور تو اور خود ''فطرت'' بھی انسان کی برتری کا اعتراف کر رہی ہے۔ (اقبال کے ہاں)

ہے ترے نور سے وابستہ مری بود و نبود
باغباں ہے تری ہستی پئے گلزار وجود (۲۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انجمن حسن کی ہے تو تری تصویر ہوں میں

عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں

خیر تو اقبالؒ نے انسانیت کا اس قدر ساتھ دیا ہے کہ انسانیت کی طرح ان کا کلام بھی آفاقی بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے بھی اقبالؒ کے آفاقی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ''سر محمد اقبالؒ کی موت نے ہماری ادبیات میں ایک ایسا خلا پیدا کر دیا ہے جو ایک مہلک زخم سے مشابہت رکھتا ہے اور جس کے پر ہونے کے لیے مدت مدید درکار ہے۔ ہندوستان کا مرتبہ دنیا میں بے حد محدود اور تنگ ہے، اس لیے ایک ایسے شاعر کی موت کا صدمہ، جس کی شاعری عالم گیر اہمیت رکھتی ہے، ملک کے لیے ناقابلِ برداشت ہے'' (۲۷)

علاوہ ازیں، ٹیگور نے ڈاکٹر محمد عباس علی خاں طلحہ کے نام ایک خط میں رقم کیا ہے '' اقبال کی نظموں کو جو شہرت اور قبولیت نصیب ہوئی ہے اس کی بنا پر مجھے یقین واثق ہے کہ اقبال کے ان جواہر پاروں میں ادبِ جاوداں کی عظمت و تابندگی موجود ہے۔ میرے لیے یہ خیال بارہا باعثِ اذیت ہوا ہے کہ بعض نقاد میری اور سر محمد اقبال کی ادبی کاوشوں کو حریفانہ میزان پر جانچ کر غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ادب کے متعلق جس کا خطاب جملہ ''بنی نوع انسان'' سے ہو یہ روش حد درجہ مذموم ہے، کیونکہ ادب عالمگیر کی مملکت میں بلا لحاظ زمان و مکان، شعراء و اصحابِ فنون کی ایک انسانی برادری معرضِ وجود میں آ جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سر محمد اقبال اور میں ادب میں حسن و صداقت کے دو خدمتگار ہیں اور ہم اس سرحد پر مل جاتے ہیں جہاں سے انسانی دل و دماغ اپنا بہترین و جمیل ترین ہدیۂ جاوداں عالمِ انسانیت کے حضور پیش کرتا ہے''(۲۸)

واقعی اقبالؒ کی نظریں خدا کی عالمگیر مملکت کے کونے کونے کا تجزیہ کر گئی ہیں۔ دنیا کے جس کونے میں بھی اقبالؒ کو انسان نظر آیا اقبالؒ نے اس سے خطاب کیا۔ انہوں نے ہر ایک کو اثبات و استحکام خودی کا پیغام دیا۔ حرکت و عمل کا پیغام دیا اور مقامِ بلند حاصل کرنے کی تلقین کی۔ اقبالؒ نے کہا کہ انسان کو خوددار، خودگر، خودنگر، خودشناس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ناقابلِ تسخیر بننا چاہیے۔ اقبال کی شاعری یہ دعویٰ کرتی ہے کہ انسان کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں، انسان کا مقام اوج ثریا سے بھی بلند ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ "علامہ اقبال نے انسان کی فضیلت و عظمت کے گن ایسی ولولہ انگیز دھن میں گائے ہیں اور اپنا استحکامِ خودی کا سرورانگیز حیات بخش اور حوصلہ افزا پیغام، انسانیت کے نام اس قدر جوشِ ایمان و جوشِ بیان کے ساتھ دیا ہے کہ اس کی نظیر عالمی شعر و ادب کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی"(۲۹)۔ واقعی اقبالؒ نے انسانیت کے نام، جو حیات بخش اور حوصلہ افزا پیغام دیا ہے اس کی مثال عالمی شعر و ادب کی پوری تاریخ میں نہیں مل سکتی، جبھی تو ہندو بھی بحیثیتِ انسان اقبال کو اپنا تصور کرتے ہیں، مثال کے طور پر میسور یونیورسٹی کے ایک ہندو پروفیسر نے اپنی تقریر میں کہا:

"ڈاکٹر سر اقبال کو مسلمان لاکھ اپنا کہیں، مگر وہ ہم سب کے ہیں وہ کسی ایک مذہب یا جماعت کی مِلک نہیں ہو سکتے، اگر مسلمانوں کو یہ ناز ہے کہ اقبال، ان کا ہم مذہب ہے تو ہم کو بھی یہ فخر ہے کہ اقبال ہندوستانی ہے"۔ (۳۰)

مگر بات صرف انھی باتوں سے نہیں بن جاتی، اس لیے کہ بعض تنگ نظروں نے اقبال کی ہمہ گیری اور وسعت نظر کو بالائے طاق رکھتے ہوئے "کلامِ اقبال کی آفاقیت" کو ماننے سے یکسر انکار کیا ہے:

"خوے بد را بہانہ بسیار"

کے مصداق اقبال کے "تنقیص" نگاروں نے یہ بہانہ تراشا ہے کہ "اقبال نے اسلام کی وکالت کی ہے"۔ اس لیے ان کے کلام میں آفاقیت مفقود ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر نکلسن، بالواسطہ طور سے "کلامِ اقبال" کو آفاقی ماننے پر تیار نہیں دکھائی دیتے اور کہتے ہیں کہ:

"His message is not for the Mohammadans of India alone, but for Muslems everywhere".(31)

اسی طرح ایرانی پروفیسر جناب داؤد بھی اقبال کو "Only a local Poet".(32) کہتے ہیں.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح پروفیسر حمید احمد خان لکھتے ہیں کہ

"The marxist school of literary criticism in urdu finds fault with Iqbal's sense of the universal because the poet used Islam ".(33)

دراصل "حق"، "باطل" سے دبنے والا نہیں۔ اگرچہ حق و باطل کا معرکہ روزِ اول سے اپنے زوروں پر رہے اور "ابد" تک رہے گا۔ شیطانی و طاغوتی طاقتوں کو اسلام سے جو بغض و عناد ہے' وہی دشمنی "مارکس" و "یولیاناف" (لینن) کے پرستاروں کو اقبال سے ہے۔ انہیں صدمہ ہے کہ اقبال نے لینن کو خدا کے حضور میں کان کیوں پکڑوا ڈالے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مخالفت برائے مخالفت کے تحت اقبال کے نظریات و موضوعات پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ وہ ایسے تمام ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں' جن کے ذریعے اقبال کی عزت و تکریم لوگوں کے دلوں سے باہر نکال سکیں۔ جو "مکتب فکر" "مارکسزم" کو کعبہ بناتے ہوئے سارے ادب کو اس کا طواف کرانے کی سرتوڑ کوشش کرے وہ اقبال کی آفاقیت کا کیسے معترف ہو سکتا ہے؟

علاوہ ازیں ڈاکٹر "سنہا" اپنی کتاب(Iqbal the poet and his message) میں نہ صرف یہ کہ اقبال کو ایک آفاقی شاعر ماننے سے انکار کرتے ہیں بلکہ ایک محدود علاقے (ہندوستان) کا شاعر ماننے سے بھی انکاری ہیں:

"اقبال نہ تو شاعرِ ہندوستان کا درجہ حاصل کر سکے اور نہ ہی ایک عظیم شاعر بن سکے"۔ (۳۴)

اقبال کے بارے میں اس درجہ تنگ نظری اور ناقص رائے زنی کا اظہار کرنا انتہائی ستم ظریفی اور تنقیصی زیادتی ہے۔ خیر ایسے لوگوں نے اقبال کی شاعری کو محدود بتانا ہی تھا۔ اس لیے کہ اقبال نے ہمیشہ سچی بات کہی ہے اور سچ بڑا تلخ ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تنگ نظر لوگوں کا پیمانۂ ظرف چھلک پڑا اور وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئے۔ جسے اقبال نے بھی محسوس کر لیا:

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند! (۳۵)

یہ حضرات جزوی طرز فکر کے نتیجے میں اقبال کو اسلامی شاعر کہتے ہیں۔ اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے یہ مراد لیتے ہیں کہ ان کے مخاطب صرف اور صرف مسلمان ہیں۔ انہوں نے اپنا پیغام صرف مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا اور یہ کہ ان کے کلام نے بنی نوع انسان کو مسلم اور غیر مسلم کی حدود میں تقسیم کر کے، فقط مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا بیڑا اٹھایا۔ بے شک اقبال نے مسلمانوں سے خطاب کیا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی، مگر یہ ،ہرگز صحیح نہیں کہ علامہ کے مخاطب صرف اور صرف مسلمان تھے۔ یا ان کا کلام و پیغام مسلمانوں کے لیے وقف ہے یا مسلم و غیر مسلم میں فرق کی کسوٹی اقبال کے یہاں مشرقی و مغربی 'کالے'گورے' سامی و غیر سامی اور ہندی و چینی کی طرح لازمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فلسفۂ اقبال کی جان توازن ہے۔ یہ توازن حیات و کائنات کی گوناگوں کیفیات کا مزاج ہے۔ جو اعتدال روی سے حاصل ہوا ہے۔ اقبال نے کمال یہ کیا کہ حیات و کائنات کے مسائل میں توازن قائم کرتے ہوئے 'گویا کہ ''مزاجِ کائنات'' کو اجاگر کیا ہے۔ مزاج کائنات کا اجاگر کرنا بذاتِ خود 'کلامِ اقبال کی آفاقیت'' ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔

بہرحال بات یہ کہ اکثر حضرات '' اسلامی شاعر'' کہہ کر '' کلامِ اقبال'' کی درخشندہ و تابندہ آفاقیت کو جھٹلانے کی پہلے سے طے شدہ (اپنے طور پر) کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے پر بحث کرنے سے قبل ' اسلامی اصول ، ضوابط کے نیچوڑ کے ساتھ ساتھ' وہ خوبیاں اور احسانات بھی بیان کر دوں جو مسلمانوں نے غیر مسلموں پر کیے اور اس لیے کئے کہ اسلام کا تقاضا بھی یہی تھا:

۹ ذی الحجہ کو نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ نے میدان عرفات میں ایک اونٹنی پر سوار ہو کر وہ مشہور و معروف خطبہ دیا جو کہ خطبۃ حجۃ الوداع کے نام سے یادگار رہے گا۔

رنگ و نسل کے امتیازات کا خاتمہ:

اے لوگو! بے شک تم ایک باپ کی اولاد ہو، اللہ نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا' تمہارے قبیلے اس لیے بنائے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی کو عجمی پر اور سفید کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں، بڑائی صرف تقویٰ اور پرہیز گاری کی بنا پر ہے۔

زمانۂ جاہلیت کا خون:

زمانہ جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے ربیع بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔

زمانہ جاہلیت کا سود:

زمانہ جاہلیت کا سود معاف کر دیا گیا اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے عباس ابن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔

غلاموں سے سلوک:

غلام تمہارے ہیں اور ان سے نرمی کا سلوک کرو، جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو ان کو بھی پہناؤ۔

عورتوں سے سلوک:

عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو، عورتوں کا تم پر اور تمہارا عورتوں پر حق ہے۔

وراثت:

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک وارث کا حق دے دیا ہے۔ اس کے بعد کسی وارث کے حق میں وصیّت جائز نہیں۔

انفرادی ذمہ داری:

ہر مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے، باپ کے جرم کا بیٹا اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں۔

کتاب اللہ:

اے لوگو! میں تمہارے پاس ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اور وہ کتاب اللہ، یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کریم ہے۔ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

اطاعتِ امیر:

اگر ناک کٹا حبشی بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تمہیں کتاب اللہ کے مطابق حکم دے تو اس کی اطاعت کرو۔

جان و مال اور آبرو کا احترام:

تمہارا مال، خون، جان اور آبرو قیامت تک اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس ماہ میں محترم ہے۔

انصاف اور حقوق کے تحفظ کی تلقین:

تم سب انصاف کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا خیال رکھو۔ عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے۔

یہ خطبہ تمام اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد بیان کیے گئے ہیں۔ جائداد کا تحفظ کر دیا گیا ہے۔ بھائی چارے پر زور دیا گیا ہے۔ عورتوں اور غلاموں سے نیک سلوک کی تلقین کی گئی ہے اور انفرادی ذمہ داری کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔ الغرض یہ خطبہ بنی نوع انسان کی خیر خواہی کا ضامن ہے۔(۳۶)

ہادیٔ برحق نبی آخر الزمان نے اسلامی تعلیمات کے تحت غلاموں کے روپ میں مظلوم "انسانیت" کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بہت سے ایسے گناہوں کا ذکر آیا ہے جن کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا مقرر کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن اور اسلام دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ آنحضورؐ نے غلاموں کو آزادی کے لیے کتابت کا طریقہ ایجاد کیا جسکی رو سے ایک غلام اپنے آقا سے اپنی قیمت مقرر کروا لیتا اور پھر اسی شخص یا کسی دوسرے شخص کی خدمت کرتا اور اپنی قیمت اس اجرت میں وضع کرواتا جاتا۔ جب قیمت ختم ہو جاتی تو اس غلام کو آزاد کر دیا جاتا تھا۔ اسلام وہ انصاف ہے جس نے غلاموں کو بھی بلند سے بلند تر مقام عطا کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ جو ایرانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

النسل آزاد کردہ غلام تھے ایک صوبہ کے گورنر بن کے ایک اہم رتبے کے مالک بنے، اور غزوہ خندق کے موقع پر آپؐ ہی کی تجویز پر دفاعی خندق کھودی گئی۔ حضرت بلالؓ ایک حبشی غلام تھے، مگر اسلام کی وساطت سے آپؐ کا مؤذن ہونے کا شرف حاصل کیا، اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق جیسے جلیل القدر صحابی ان کو آقا کہنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ اسی طرح آنحضورؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام "زید بن حارثہؓ" کو "جنگِ موتہ" میں اسلامی لشکر کی قیادت سونپی اور ۶۳۲ء/ ۱۱ھ میں زید بن حارثہ کے سترہ سالہ بیٹے' اسامہؓ کو رومیوں کے خلاف اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا گیا۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفۃ المؤمنین تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لشکر کو روانہ کیا اور خود شہر کے باہر تک' حضرت اسامہؓ کو ہدایات دیتے ہوئے پیدل گئے۔ جب کہ اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے حضرت خدیجہؓ' ابو بکرؓ اور عثمان غنیؓ نے بہت سے غلاموں کو خرید کر ان کے ظالم آقاؤں سے آزاد کردایا اور پھر یہ اسلام ہی کا اثر تھا کہ حضرت عمرؓ (خلیفۂ وقت) رات کے وقت یتیم بچوں کے لیے اپنی پیٹھ پر آٹا اور کھجوریں اٹھا کر لے گئے۔ آپؓ کا غلام (سلیم) بھی ساتھ تھا۔ غلام نے عرض کیا' اے امیرالمؤمنین آپ یہ بوجھ مجھے اٹھانے دیں تو جواب میں فرمایا کہ قیامت کے دن بھی میرا بوجھ تو اٹھائے گا؟ اسی طرح ۱۵ھ/۶۳۶ء میں بیت المقدس کی فتح کے موقع پر حضرت عمرؓ صلح نامہ تحریر کرنے کی غرض سے خود تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک دن خلیفۃ المؤمنین اونٹ پر سواری کرتے اور آپؓ کا غلام اونٹ کی مہار پکڑ کے چلتا۔ دوسرے دن غلام سواری کرتا اور عمرؓ اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتے۔ چنانچہ جب بیت المقدس نزدیک آیا تو اس دن اونٹ پر سواری کرنے کی باری غلام کی تھی۔ غلام نے عرض کیا اے امیر المؤمنین آج میں اپنی باری آپ کو دیتا ہوں مگر حضرت عمرؓ نہ مانے اور اسی طرح اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے چلتے رہے۔

مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ذمیوں کو ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ان کی عبادت گاہیں بالکل اسی طرح محفوظ تھیں جس طرح مسلمانوں کی عبادت گاہیں۔ جو ذمّی فوجی خدمات انجام دیتے ان کو جزیہ سے مستثنٰی قرار دیا جاتا۔ ان کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے برابر کا سلوک کیا جاتا۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمّی کو قتل کرتا تو اس کے قصاص میں مسلمان کو بھی قتل کر دیا جاتا تھا۔ ذمّی اپاہجوں اور ناداروں کو ' بیت المال سے اسی طرح وظیفہ ملتا جس طرح مسلمان معذوروں کو ملتا تھا۔ کسی ذمّی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا گیا۔ مسلمانوں کے لیے ذمّیوں کی زمین خریدنا ممنوع قرار دیا گیا۔ ان کے مذہبی امور سے متعلق مسائل ان کے باہمی مشورے سے حل کیے جاتے۔ اسی طرح عراق کے بندوبست کے سلسلے میں ذمّیوں سے مشورہ لیا گیا۔ بصرہ اور کوفہ کا خراج مدینہ پہنچتا تو حضرت عمرؓ وہاں کے دس دس سرکردہ اشخاص سے قسم لیا کرتے تھے کہ کہیں خراج وصول کرنے میں کسی ذمّی کے ساتھ زیادتی تو نہیں کی گئی۔ اگر ذمّیوں نے کسی بغاوت میں حصہ لیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو معاف کر دیا یا پھر ان سے نرمی کا سلوک کیا۔ شام کے ایک شہر "مرداس" کے ذمّی رومیوں سے درپردہ سازش کے مرتکب پائے گئے تو حضرت عمرؓ نے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ ان کی جائداد اور مال مویشیوں کی قیمت لگا کر اور پھر اس قیمت سے دوگنی قیمت دے کر ان کو جلا وطن کر دو۔ اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوں تو انہیں ایک سال کی مہلت دو اور اگلے سال انہیں وہاں سے نکال دو۔ اسی طرح جب "حیرۃ" کے یہودی اپنی مسلسل شرانگیزیوں سے باز نہ آئے تو انہیں زمینوں کی قیمت ادا کرنے کے بعد وہاں سے جلا وطن کیا گیا۔ خیبر کے یہودیوں اور عراق کے عیسائیوں کو عرب سے جلا وطن کیا گیا تو ان کو شام اور عراق میں متبادل زمینیں عطا کی گئیں۔ غرضیکہ حضرت عمرؓ نے ذمّیوں سے جو حسنِ سلوک کیا وہ آج کے روشن زمانہ میں بھی مفقود ہے لیکن اس حسنِ سلوک اور رواداری کا منبع اسلام ہی تھا۔ اگر اسلام نہ ہوتا تو نہ جانے ذمّیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا۔ جس پر انسانیت بھی آنسو بہاتی۔ اسلام نہ ہوتا تو ادنیٰ سے غلام آقا و مولا کہہ کر نہ پکارے جاتے۔

خطبہ حجۃ الوداع اور دیگر حوالوں سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ اسلام کیا ہے؟ اور اس کی اہمیت و غرض و غایت کیا ہے؟ ان سب باتوں کا جواب یہی ہے کہ اسلام محبت و شفقت' اتحاد و اتفاق' خلوص و صداقت' خیر خواہی و نیک دلی' فراخ دلی و وسیع القلبی' امانت و دیانت' عدل و انصاف' شرم و حیا' جلال و جمال' رحم و کرم'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہادری و دلیری، ہمدردی و رحمدلی، حق شناسی و فرض شناسی، غیرت و خودداری، عزت و ناموس، بڑائی و بزرگی اور عفت و پاکیزگی کا ذخیرہ ہے۔ اور انہی اوصافِ حمیدہ سے کالے، گورے، عربی، عجمی، مسلمان و ہندو اور عیسائی و یہودی غرض یہ کہ انسانیت سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو یکساں طور سے نوازتا ہے۔ یہی نہیں اسلام نے تو جانوروں کے ساتھ بھی رحمدلی کے ساتھ پیش آنے کی تلقین کی ہے کہ ان سے زیادہ کام نہ لو۔ کسی جانور کو ذبح کرنے سے پہلے خوب چارہ کھلاؤ، پانی پلاؤ، تیز چھری سے ذبح کرو تاکہ اسے تکلیف نہ ہو تو مطلب یہ کہ اسلام نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کے حقوق کا بھی پاسبانِ اعلیٰ ہے اور یہی ساری دنیا کے لیے اجالا ہے۔

اسلام کے مندرجہ بالا فیوض و برکات کی روشنی میں، اقبالؒ کے ذہن رسا نے اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ بنی نوع انسان کی تمام تر بہتری اسلام ہی میں مضمر ہے۔ اور یہی وہ ضابطۂ حیات ہے جس میں ہر طرف اجالا ہی اجالا ہے۔ یعنی پیغمبر آنحضورؐ اتر کر حرا سے ایک ایسا پیغام لائے، جو نسل انسانی کے تمام عقدوں کا حل اور ان کی تمام مشکلات کا مداوا و علاج ہے۔

چنانچہ اقبالؒ نے جب دنیا کو، خصوصاً اہل یورپ کو ہولناکی، مادہ پرستی، عیاری، مکاری، جبر و استبداد اور نفسا نفسی کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھٹکا ہوا دیکھا تو وہ اسلام کے اجالے سے ان تمام اندھیروں اور تاریکیوں کو مٹا کر نوعِ انسان کو راہ راست پر لانے اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے، بذریعۂ قلم ساری عمر کوشاں رہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذہب اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب نہیں جو انسانوں کے علاوہ جانوروں کے حقوق کا بھی تحفظ پیش کرتا ہو۔ اچھا یہ تو سب مانتے ہیں کہ مارنے اور پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور "مذہبِ اسلام" اس کی طرف سے انسانوں کے لیے ودیعت کیا گیا ہے۔ پس میں یہ کہوں گا کہ انسان کی جسمانی ساخت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان خواہ وہ دنیا کے کسی بھی کونے اور کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اس کی ساخت اور مسلمان کی جسمانی ساخت میں کوئی فرق نہیں۔ انسان کے ہاتھ، گردن، ٹانگوں اور کمر میں جتنے بھی جوڑ ہیں ان سب کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان دینِ اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حضور میں دن میں پانچ مرتبہ سجدہ ریز ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کے آگے جھک سکے اور ہاتھ اٹھا کر اس "غفور رَّحیم" ہستی سے دنیوی اور اخروی زندگی کی بہتری کے لیئے دعا مانگے۔ اگر دینِ اسلام خدا کا سچا مذہب نہ ہوتا تو صرف مسلمانوں کے اعضاء میں جھکنے کی گنجائش چھوڑتا۔ باقی مذاہب کے مطابق نماز وغیرہ روا نہیں' ان مذاہب کے لوگوں کے اعضاء میں کوئی جوڑ نہ ہوتا۔ مگر چونکہ مذہبِ اسلام برحق ہے اور کوئی بھی غیر مسلم کسی بھی وقت مسلمان ہو سکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور حکمت دیکھیے کہ اس نے غیر مسلموں کے اعضاء میں بھی اسی طرح جوڑ بنائے جس طرح مسلمانوں کے اعضاء میں ورنہ غیر مسلم یہ بہانہ بھی تراشتے کہ ہم اسلام کیسے قبول کریں۔ ہمارے اعضاء میں تو جوڑ ہی نہیں' ہم تو نماز میں سجدہ کرنے کے لیے جھک ہی نہیں سکتے۔

خیر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ساری دنیا کے انسانوں کی جسمانی ساخت "اسلامی عبادات" کے مطابق ہے۔ اچھا تو اب جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اقبال کی شاعری "اسلامی" کیوں ہے؟ تو میں ان سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر اسلام سے انہیں اتنی ہی چڑ ہے تو پھر' ان کی جسمانی ساخت "فلسفۂ اسلام" کے عین مطابق کیوں ہے؟ کیا وہ اس بات کا جواب دے سکتے ہیں؟

"صم بکم عمی فھم لا یرجعون"۔

علاوہ ازیں کون نہیں جانتا؟ کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق کائنات ہے' وہی کائنات کا بادشاہ ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے ‏ حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری(۳۷)

اللہ تعالیٰ نے نظامِ کائنات کا انتظام چلانے کی خاطر ایک ایسا ضابطۂ حیات بنایا ہے' جسے اسلام کہتے ہیں۔ اب جب کہ ساری دنیا اور دنیا کی تمام "خودیاں" خدا نے بنائیں اور خودیوں کا ضابطۂ حیات (اسلام) بھی خدا نے تشکیل دیا تو ثابت ہوا کہ خدا کی طرح اسلام بھی ساری کائنات پر حاوی اور محیط ہے اور پھر یہ بات تو معترضین بھی مانتے ہیں کہ "اقبال نے "اسلام" کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شاعری کی" گویا کہ اقبال کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاعری میں تمام تر اسلامی تعلیمات ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اسلام کی طرح کلامِ اقبالؒ بھی سارے آفاق پر حاوی و محیط ہے۔ تو اس طرح' درحقیقت خود مذکورہ اعتراض ہی' اعتراض کا جواب ہے' اعتراض ہی میں جواب مضمر ہے۔ یہ کور نگاہی اور کوردماغی نہیں تو اور کیا ہے؟ لیکن، بقول شاعر:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر (۳۸)

بہرحال ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات میرے ان دلائل کو ناکافی سمجھیں۔ اس لیے لازم ہے کہ بات کو مزید آگے بڑھایا جائے۔ اقبالؒ تو محض ایک صاحب بصیرت شاعر اور مفکر ہیں' اگر کوئی نبی بھی ہو تو سب سے پہلے اور بلاواسطہ اپنی قوم ہی سے خطاب کرتا ہے۔ وہ سب سے پہلے اپنی قوم کی اصلاح اس لیے کرتا ہے کہ اپنی قوم سے وہ ایک گہرا نفسیاتی رابطہ رکھتا ہے' یعنی ان کے مزاج سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ اقبالؒ کا پیغام بھی اسی طرح سے ہے۔ اپنی قوم کو عشق' توحید اور خودی کی تعلیم سب سے پہلے دیتا ہے۔ تاکہ مذہب اسلام کی بھولی بسری حقیقت یاد دلا کر' اسے ہدایت یافتہ اور اصلاح یافتہ بنا دے۔ علامہؒ یہ چاہتے ہیں کہ یہ قوم یعنی امتِ مسلمہ اصلاح یافتہ ہو کر' یعنی ہدایت حاصل کر کے تمام بنی نوع انسان کو توحید اور عالمگیر بھائی چارے کی دعوت دے:

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی

اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی(۳۹)

تعصب چھوڑ ناداں! دہر کے آئینہ خانے میں

یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے(۴۰)

اقبالؒ "ملتِ اسلامیہ" کو دوسری قوموں کے خلاف اکساتا نہیں اور نہ دوسروں کو حقیر سمجھنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ دراصل ایک نظریۂ حیات کی تبلیغ کرتا ہے۔ جو قوم اس نظریے پر جتنی سختی سے عمل پیرا ہو گی' اتنا ہی وہ اسلام سے قریب ہو گی۔ اور اقبالؒ اسے اسلام سے قریب سمجھتے بھی ہیں۔ ایسی عظیم ہستی کو ہم ہرگز ہرگز کسی قسم کے تنگ معنوں میں ملت پرست نہیں کہہ سکتے۔ جس ملت کو وہ دیکھنا چاہتا ہے' اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت تو اس کو نظر ہی نہیں آتی.

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!(۴۱)

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟(۴۲)

اقبالؒ نے نوعِ انسان کے لیے ایک نصب العین پیش کیا ہے اور مسلمانوں سے توقع کی ہے کہ آئندہ کے لیے ' وہ اس پر عمل پیرا ہو کر دنیا کے سامنے انسانیت کا بہتر نمونہ پیش کریں گے اور اس طرح اخوت و محبت عالمگیر بن جائے گی۔ محض "اسلام کی زبانی کلامی" نام لینے والے' علامہ کے نزدیک ' وہ "نصب العین" ملت نہیں۔ اسلام تو ایک زاویۂ نگاہ ہے۔ یہ زاویۂ نگاہ جو کوئی بھی اپنے اندر پیدا کر لے وہ مسلمان ہے.

جن مسائل حیات کو اقبالؒ نے اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے کورنگاہ و کوربین لوگ ان کے متعلق تعصب اور طرفداری سے کام لیتے ہیں اور سراسر اپنی ہٹ دھرمی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ ان لوگوں کے جذبات میں اعتدال پسندی اور میانہ روی بالکل مفقود ہے۔ علامہؒ سے متعلق یہ سوچنا بالکل زیادتی ہے کہ وہ کسی ایک عقیدے کے خلاف اس طرح لکھیں کہ سیاہی ہی سیاہی ہو جائے اور کسی عقیدے کے حق میں اس طرح لکھیں کہ سفیدی ہی سفیدی یا روشنی ہی روشنی نظر آئے.

اقبال نے وطن سے محبت کی مگر وطن پرستی سے دور رہے۔ انہوں نے عشق کی تعریف کی مگر عقل سے دشمنی نہیں کی۔ وہ اسلام کا راسخ العقیدہ معتقد تھا مگر ظواہر کی پابندی' نمود و نمائش اور ریاکاری کو اسلام نہیں سمجھتا تھا۔ اقبال نے شریعت کی حمایت کی مگر اس کے نزدیک زیادہ تر مدعیان شریعت حقیقت دین سے عاری ہیں۔ علامہؒ ہر کوتاہی ' خرابی اور برائی کی خبر لیتے ہیں۔ خواہ یہ کوتاہی ' خرابی اور برائی فرنگیوں میں ہو یا مسلمانوں میں، ٹھیک ہے کہ انہوں نے پوری تہذیب سے متعلق فرمایا کہ:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے!(۴۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر دوسری طرف یہ بھی تو فرماتے ہیں:

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور

ایسے امام سے گذر، ایسی نماز سے گذر (۴۴)

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے

گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادر زہراؓ؟ (۴۵)

اقبال توسیع مملکت، نفع اندوزی یا غارت گری کے جذبے سے جنگ کرنے کے بہت مخالف ہیں۔ وہ تو انسانوں کی یکجہتی کے طالب ہیں اور یقینِ واثق رکھتے ہیں کہ یہ یکجہتی محبت کی جہانگیری اور اخوت کی وسعت سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ موجودہ زمانے کی اقتصادی اور مادّی لڑائیوں کے خلاف اقبال جگہ جگہ اظہارِ نفرت کرتے ہیں۔ اسلام صلح جوئی اور کل کی خیر خواہی کا نام ہے۔ چنانچہ ایک خط میں اقبالؒ اپنا نظریہ جنگ واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں " میں جنگ کا حامی نہیں ہوں اور نہ کوئی مسلمان شریعت کے(۴۶) حدود معینہ کے ہوتے ہوئے جنگ کا حامی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رو سے جنگ یا جہاد سیفی کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے۔ مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے (نہ حکم) اور دوسری صورت جس میں قتال کا حکم ہے۔ آیات "۹:۴۹" میں بیان ہوئی ہے۔ ان آیات کو غور سے پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ چیز جس کو "سموئل ہور" جمعیت اقوام کے اجلاس میں اجتماعی سلامتی کہتا ہے، قرآن نے اس کا اصول کس سادگی اور فصاحت سے بیان کیا ہے۔ جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوا میں اور کسی جنگ کو نہیں جانتا (جسے اسلام نے جائز سمجھا ہو) جوع الارض کی تسکین کے لیے جنگ کرنا دینِ اسلام میں حرام ہے "علی ھذا القیاس" دین کی اشاعت کے لیے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔(۴۷)

تو مطلب یہ کہ جنگ اگرچہ بغیر تشدد کے نہیں ہو سکتی، مگر ایسی صورت میں بھی اسلام تاکید کرتا ہے کہ عدل و انصاف اور رحم دلی و ہمدردی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ اسلام کہتا ہے کہ لڑائی امراضِ اقوام کے حق میں علم جراحی کی حیثیت رکھتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ قرآن پاک (اور احادیث نبویہ) نے جہاد کی تعلیم کے ساتھ ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک کی تلقین بھی کی ہے۔ احادیث میں واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ دورانِ جنگ میں ایسے شخص پر تلوار نہ اٹھاؤ' جو جنگ سے علیحدہ ہو۔ بوڑھوں' بچوں اور عورتوں کا خون نہ بہاؤ' بلکہ انہیں ہلکی سی تکلیف بھی نہ پہنچاؤ۔ مذہبی پیشواؤں سے مؤدبانہ پیش آؤ۔ مفتوح کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرو اور دشمنوں کی فصلیں مت جلاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ صلح و ہم آہنگی کے بعد مخلوقِ خدا بھوکی مرنے لگے۔ چنانچہ علامہؒ بھی ہر مسلمان کو یہی تلقین کرتے ہیں:

رزم ہو یا بزم ہو' پاک دل و پاکباز(۴۸) نرم دمِ گفتگو' گرم دمِ جستجو

اب یہ شعر اقبالؒ نے اسلامی نظریہ جہاد کی روشنی میں کہا ہے۔ کیا میں اقبالؒ کے معترضین سے پوچھ سکتا ہوں کہ آیا یہ شعر بنی نوع انسان کے حق میں ہے یا مخالفت میں؟ کیا اقبال مسلمان کو رزم و بزم دونوں میں پرخلوص رہنے کی تلقین نہیں کر رہے؟ یقیناً کر رہے ہیں اور اسی میں "کلامِ اقبال کی آفاقیت" پوشیدہ ہے۔

مذہبی لحاظ سے اقبالؒ بالکل متعصب نہیں' بلکہ ہر ایک عظیم شخص کی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اپنی ایک نظم "سوامی رام تیرتھ" میں سوامی جی ایک ہندو سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بے تاب تو
پہلے گوہر تھا' بنا اب گوہر نایاب تو(۴۹)

پروفیسر حمید احمد خان بھی اسی نظم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"Iqbal uses his Islamic terms indifferently for muslims and non muslims alike referring to the self chosen death of the Hindu mystic, Swammi Ram Tirath, Iqbal freely makes use of Kalmah of Islam, La-Ilaha iL-Allah (There is no god but God)" (50).

لا کے دریا میں نہاں موتی ہے اِلا اللّٰہ کا نفئ ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا

اسی طرح ایک نظم "نانک" میں بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اقبالؒ نے مذہب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالاتر رہ کر صرف اور صرف انسانی ہمدردی کی بنا پر اپنے جذبات کا اظہار اس طرح سے کیا ہے:

آہ! شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے

اسی طرح ان کی ایک نظم "آفتاب" میں ایک مصرعہ اس طرح سے ہے:

زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو

زائیدگان کی تشریح کے سلسلے میں اقبالؒ خود فرماتے ہیں کہ "زائیدگان یعنی دیوتا سنسکرت میں لفظ دیوتا کے معنی زائیدۂ نور کے ہیں یعنی ایسی ہستی جس کی پیدائش نور سے ہوئی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ہندو دیوتاؤں کو دیگر مخلوقات کی طرح مخلوق تصور کرتے تھے۔ ازلی نہیں سمجھتے تھے۔ غالبًا ان کا مفہوم وہی ہو گا جس کو ہم لفظ فرشتہ سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ فرشتوں کا وجود بھی نوری تسلیم کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان کو مخلوق مانا گیا ہے۔ پس ہندو مذہب کو شرک کا مجرم گردانا میرے نزدیک صحیح معلوم نہیں ہوتا" (۵۱)۔

یہ ٹھیک ہے کہ اقبالؒ مسلمان ہیں اور اعتراض کرنے والے ان کے کلام کو اسلامی ہونے کی وجہ سے محدود قرار دیتے ہیں، لیکن میں کہوں گا کہ ان کا کلام "اسلامی" ہونے کی وجہ ہی سے تو آفاقی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اقبالؒ کا کلام اسلامی نہ ہوتا تو وہ آفاقی نہیں بن سکتا تھا۔ یہ اسلام ہی کا فیضان ہے کہ اقبال نے ۱۹۳۱ء میں کہا:

"I am looking forward to the day when the disputes between England and India will be settled, and two countries will begin to work together, not only for their mutual benefit, but for the greater good of mankind" (52)

بعض غیر مسلم نقاد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "حب الوطنی" کے وہ جذبات جو کلام اقبالؒ کے ابتدائی دور میں پائے جاتے تھے، بعد میں تبدیل ہو کر "ملتِ اسلامیہ" کی محبت کا روپ دھار گئے۔ اس سلسلے میں اکثر اوقات "ترانۂ ہندی" جیسی نظموں کا حوالہ دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

اس قسم کے اعتراضات سے، در اصل معترضین کے دل میں یہ چور ہوتا ہے کہ کلامِ اقبالؒ میں تضاد ثابت کر کے، اسے ادھر کا اور نہ ادھر کا چھوڑیں، مگر یہ بھی ان لوگوں کی نا سمجھی ہے یا پھر "جانتے بوجھتے انجان بنے بیٹھے ہیں"۔

درحقیقت یہ تضاد نہیں بلکہ اقبالؒ کی شاعری کا ارتقاء ہے۔ یہاں میرا خیال یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی دلیل دینے کی بجائے شیخ اکبر علی کی رائے پیش کروں، فرماتے ہیں" جو رنگ ان کے کلام نے ذرا بعد میں اختیار کیا وہ ان کے پہلے رنگ کا تدریجی ارتقاء تھا مگر پہلے رنگ کا متضاد نہ تھا۔ ہمارے شاعر کی نظر میں جوں جوں وسعت آتی گئی اس کی نگاہ دور تک پہنچنے لگی، یعنی گھر کی محبت سے شہر کی محبت اور شہر کی محبت سے ملک کی اور وطن کے بعد وطن کے قریب ترین ممالک کی اور ان قریبی ملکوں کے بعد دور دور کے ملکوں کی اور رفتہ رفتہ دنیا بھر کی محبت پیدا ہوئی اور قومی ہمدردی بین الاقوامی ہمدردی بن گئی اور سیالکوٹ کا مشہور شاعر پنجاب کا مشہور ترین شاعر بنا اور اس کے بعد ہندوستان بھر کے مشاہیر میں آ گیا اور پھر دنیا بھر کے مشاہیر کی صف میں جاگزیں ہو گیا"(۵۳)۔ واقعی بات بھی یہی ہے کہ اقبالؒ کی شاعری ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی اتنی وسعت، ہمہ گیری اور آفاقیت اختیار کر لیتی ہے کہ اس کی آفاقیت سے انکار کرنا" انگلی کے پیچھے سورج چھپانے کے مترادف ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ اقبال کہتا ہے:

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا!(۵۴)

تو ابھی رہگذر میں ہے قیدِ مقام سے گزر! مصر و حجاز سے گزر پارس و شام سے گزر (۵۵)

حق یہ ہے کہ علامہؒ کا کلام آفاقی ہے اور اس میں جگہ جگہ بنی نوعِ انسان، بلکہ اوّل سے لے کر آخر تک بنی نوعِ انسان کی بہتری کے دریا بہائے گئے ہیں۔ بہرحال یہ ضرور ہے کہ نصائح کے پیش کرنے میں اسلامی اصطلاحیں بروئے کار لائی گئی ہیں۔ اور اس میں کوئی حرج کی بات تو نہیں ،اصل مقصد تو پیغام کا ہے اگر انہوں نے اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصوف اور فلسفے کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں تو اس لیے کہ وہ ان سے بخوبی واقف تھے اور ان کے استعمال کرنے ہی میں اپنا پیغام بہتر سے بہتر طریقے سے" بنی نوع انسان" تک پہنچا سکتے تھے۔ محمد حنیف شاہد لکھتے ہیں کہ " اس نے کسی وقت بھی اپنے عقیدے کو نہیں چھپایا کہ وہ مذہب اسلام کا ماننے والا ہے اور اس کو صحیح مذہب سمجھتا ہے۔ اس کا یہ خیال تھا کہ باقی دنیا خواہ مذہب اسلام کو اختیار کرے یا نہ کرے مگر دنیا کے بہت سے امراض کا علاج وہ صداقتیں ہیں جو اسلامی کتابوں کے خزینے میں موجود ہیں"۔ (۵۶)

غرض اقبال کے کلام کو کسی بھی میزان میں تول لیں ' کسی بھی پیمانے پر جانچ لیں یہ ہر حال میں آفاقی اور عالمی ہی ثابت ہو گا۔ ان کا نقطہ نظر ہی عالمی ہے۔ انہوں نے رنگ' نسل اور نسبت سے اجتناب کیا:

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے   تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

وہاں یہ بھی ہے کہ وہ اغیار کے غم کو اپنا غم سمجھتے ہوئے سب کے غم گسار و یار بن جاتے ہیں:

آنکھ میری اور کے غم میں سرشک آباد ہو   امتیازِ ملّت و آئیں سے دل آزاد ہو

اخوّت اقبال کا مسلک ہے اور محبت اس کا ایماں۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو   اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

انسانی رشتوں کی عمارت اخوت اور محبت کی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ ایک ہی علاقے میں رہنے والے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا دم بھرتے ہیں، مگر اس سے یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ دوسرے ملک کے بسنے والوں سے بخیلی یا ضد برتی جائے۔ بالکل اسی طرح ایک ہی عقیدے پر ایمان رکھنے والوں کے مابین بھائی بندی کا لازوال رشتہ ہوتا ہے کسی اور یہ تقاضائے فطرت ہی ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک ہر وہ شخص جو سچے مذہب کا پیرو ہو اور تہِ دل سے اس پر کاربند ہو' کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے کے ساتھ اختلاف اور بغض نہیں رکھ سکتا:

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

اقبالؒ کے کلام میں ہر مقام پر انسانیت کے عظیم رشتے کا لحاظ اور پاس رکھا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور اسلام بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ علامہؒ فرماتے ہیں کہ:

سر میں جز ہمدردیٔ انساں کوئی سودا نہ ہو

اقبال اپنے آفاقی اور عالمی نقطۂ نگاہ کے اعتبار سے آفاقی ہیں۔ وطن اور ملّت کے گوناگوں رشتوں کے ہوتے ہوئے بھی اقبال انسانیت کی یکجہتی کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ وہ ہر مشکل کے وقت انسان کے دوست و ساتھی رہے۔ مثال کے طور پر ایک نظم میں فرماتے ہیں۔

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام — پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم (۵۷)
مکہ نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام — جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم

اقبالؒ کی نظر اتنی گہری، تیز، عمیق اور جامع تھی کہ سل کا دل چیر دیتی تھی۔ انہوں نے ساری کائنات کا بغور مطالعہ کیا۔ انہوں نے ذرّے ذرّے کا تجزیہ کر کے حقیقت تک رسائی حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری وسعت اور گہرائی جیسے بیش بہا زیوروں سے مزیّن ہے۔ ان کا پیغام صدائے عام کی حیثیت رکھتا ہے، جو بھی چاہے فیض اٹھا سکتا ہے، ان کا کلام ایک بہتا ہوا سمندر ہے۔ امیر، غریب اور چرند پرند سبھی اس سمندر کو مصرف میں لا سکتے ہیں۔ کسی کے لیے بالکل کوئی روک ٹوک نہیں۔ انہوں نے کسی خاص یا مخصوص ملّت سے خطاب نہیں کیا، بلکہ انسان سے کیا ہے، اور دنیا کے ہرگوشے میں بسنے والے انسان سے کیا ہے ان کی زبان رنگ و نسل کی پیچیدگیوں میں نہیں الجھتی، بلکہ نوعِ انسان کی رہنمائی و ترجمانی کرتی ہے:

بستہ رنگ خصوصیت نہ ہو میری زباں — نوعِ انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں

حق یہ ہے کہ "کلام اقبال کی آفاقیت" امید، روشنی اور حرکت و عمل میں پوشیدہ ہے وہ بنی نوعِ انسان کی بہتری اور کامیابی سے متعلق کبھی ناامید نہیں ہوتے، انفرادی ترقی کی خواہش اور انفرادی غم اقبالؒ کے کہاں نہیں پایا جاتا، بلکہ اقبالؒ بنی نوع انسان کو جسم تصور کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس جسم کی آنکھ سمجھتے ہیں:

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ (۵۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرض یہ کہ ضابطۂ حیات اور ضابطۂ کائنات (اسلام) نے جو تعلیم دی اقبالؒ نے اس کے مطابق اپنا پیغام دیا اور اقبال کی شاعری اور اس کا پیغام ابدی اور آفاقی ہے اور جن لوگو نے اس کے خلاف کچھ کیا ہے، لوگ کسی نہ کسی طرح کے تعصب کا شکار ہیں اور ان کی مخالفت سے اقبال کی آفاقیت پر کوئی حرف نہیں آتا.

حواشی

۱- اقبال اور اس کا عہد از جگن ناتھ آزاد ص ۱۰۹

۲- بالِ جبریل حصہ اول، غزل نمبر ۶ ص ۱۰

۳- بال جبریل حصہ اوّل، غزل ا ص ۵

۴- بال جبریل حصہ دوم، غزل ۳ ص ۲۷

۵- جاوید نامہ ص ۱۶

۶- بانگِ درا حصہ اوّل، ص ۱۱۴

۷- ملاحظہ ہو: اقبال اور اس کا عہد، ص ۱۱۲

۸- خیابانِ دانائے راز مضمون "اقبال کی شاعری میں انسان کی تحلیل" ص ۳۸

۹- بال جبریل حصہ دوم، غزل نمبر ۲۶ ص ۴۹

۱۰- بال جبریل حصہ اوّل، غزل نمبر ۴ ص ۸ پانچواں شعر (کلیات اقبال)

۱۱- بال جبریل حصہ اول، غزل نمبر ۴ ص ۸

۱۲- بانگِ درا ص ۱۶

۱۳- بانگ درا حصہ اوّل ص ۹۴ (کلیات اقبال)

۱۴- بانگ درا، حصہ سوم ص ۱۴۹ (کلیات اقبال)

۱۵- بانگ درا ص ۱۵۵ (کلیات اقبال)

۱۶- بانگ درا حصہ سوم، ص ۲۲۶ (کلیات اقبال)

۱۷- القرآن الکریم ۲۹ء۵۷

۱۸- بانگ درا حصہ سوم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" ص ۲۳۰

۱۹- ایضاً " " بند نمبر ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۰- بانگِ درا (حصہ سوم) ص ۲۵۸ بند نمبر ۴ (کلیاتِ اقبالؒ)

۲۱- بالِ جبریل حصہ دوم، غزل نمبر ۲۵ (چھٹا شعر)

۲۲- بالِ جبریل حصہ دوم ، غزل نمبر۳۳، شعر۲

۲۳- بالِ جبریل' جاوید کے نام

۲۴- بالِ جبریل حصہ دوم غزل نمبر ۲۹' تیسرا شعر

۲۵- ملاحظہ فرمایئے "خیابانِ دانائے راز" میں شاعرِ انسانیت - اقبالؒ ص ۲۹

۲۶- بانگِ درا حصہ اوّل "انسان اور بزمِ قدرت" ص ۵۴

۲۷- سیرت اقبالؒ ص ۵۸ (محمد طاہر فاروقی)

۲۸- سیرت اقبال ص ۵۸' ۵۹

۲۹- خیابانِ دانائے راز ص ۳۱

۳۰- سیرت اقبال ص ۳۷

۳۱- اقبال کی شخصیت اور شاعری ص ا، مضمون The Universal note in Iqbal's Poetry.

۳۲- اقبال کی شخصیت اور شاعری ص ا

۳۳- اقبال کی شخصیت اور شاعری ص ۶

۳۴- یہ فقرہ "خیابانِ دانائے راز" میں سے پروفیسر عبدالستار جوہر پراچہ کے مضمون "اقبال کے نکتہ چیں" ڈاکٹر سنہا ص ۲۹۱ سے نقل کیا گیا ہے۔

۳۵- بالِ جبریل پہلا حصہ غزل نمبر ۱۶

۳۶- ملاحظہ ہو تاریخ اسلام

۳۷- کلیات اقبال اردو

۳۸- یہ شعر بھرتری ہری کا ہے (اقبال نے اس شعر کو "بالِ جبریل" کے آغاز میں لکھا ہے

۳۹- بانگِ درا " طلوعِ اسلام" ص ۲۷۰ (کلیات اقبال)

۴۰- بانگِ درا حصہ سوم " خضرِ راہ" ص ۲۶۱

۴۱- بانگِ درا حصہ اوّل "تصویرِ درد" ص ۷۲

۴۲- بانگِ درا حصہ سوم "جواب شکوہ" ص ۲۰۲ (کلیات اقبال)

۴۳- جواب شکوہ ص ۲۰۳

۴۴- بانگ درا "طلوعِ اسلام" ص ۲۷۴

۴۵- بالِ جبریل حصہ دوم غزل ۲۹

۴۶- بالِ جبرئیل حصہ دوم غزل ا ص ۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۷- فکرِ اقبال میں ''کتبے'' میں لکھا ہوا ہے

۴۸- ملاحظہ ہو فکر اقبال از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ص ۶۵۱' ۶۵۲

۴۹- بالِ جبریل ''مسجد قرطبہ'' ص ۹۷ بند نمبر ۵

۵۰- بانگِ درا ' ''سوامی رام تیر تھ'' ص ۱۱۴ (سوامی رام تیر تھ اقبال کے جاننے والے تھے۔
انہوں نے دنیا سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ایک دن دریا میں نہا رہے تھے کہ ڈوب گئے)

۵۱- ملاحظہ فرمایئے ڈاکٹر حمید احمد خان کی کتاب ''اقبال کی شخصیت اور شاعری'' میں
"The Universal Note " ص۶
یہ اقتباس ' جگن ناتھ آزاد کی کتاب ''اقبال اور اس کا عہد'' ص ۲۱' ۲۲ سے نقل کیا گیا ہے۔

۵۲- اقبال کی شخصیت اور پیغام ''از ڈاکٹر حمید احمد خان'' مضمون The Universal Note ، ص۱۶۰

۵۳- نذرِ اقبال ص ۷۳ از محمد حنیف شاہد

۵۴- بانگِ درا حصہ سوم ''ترانہ ملّی ص ۱۵۹

۵۵- بالِ جبریل حصہ دوم غزل ۵ ص ۲۹

۵۶- ''نذرِ اقبال'' ص ۷۳

۵۷- ضربِ کلیم کی نظم ''مکہ اور جنیوا''

۵۸- بانگِ درا حصہ اوّل نظم ''شاعر'' ص ۶۱

☆☆☆

© rasailojaraid.com